شعراء کی مختصر حالاتِ زندگی

اثر صہبائی

"حالات شاعر کے کیا ہوتے ہیں، وہ تو واردات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ اور وہ تمام واردات اس کے اشعار میں منعکس ہوتے ہیں۔ نام عبدالسمیع پال۔ تاریخ ولادت ۲۸ دسمبر ۱۹۰۱ء بمقام سیالکوٹ۔ ایم۔ اے لاہور میں فلسفے میں پاس کیا، اور ایل ایل۔ بی بھی۔ ذریعہ معاش بھی وکالت ہے لیکن دل و دماغ دنیائے شعر و ادب میں گم رہتے ہیں۔ والد مرحوم نہایت ہی متدین بزرگ تھے۔ ان کے زیر تربیت میری زندگی میں مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ نے بہت ہی اہمیت حاصل کی۔ میرے بڑے بھائی حضرت امین حزیں ہیں۔ ان کی نیک سیرت سے میں ہمیشہ متاثر رہا ہوں۔ علامہ اقبال کی شخصیت بالعموم اور اُن کی غیر فانی شاعری بالخصوص میری زندگی اور شاعری پر اثر انداز رہی ہے۔ متقدمین میں سے حافظ مغفور اور خیام مغفور کے اثرات میری شاعری میں نمایاں ہیں۔ دنیا کے فلسفہ میں ہنری برگساں اور شنکر اچاریہ مجھے خاص طور پر محبوب رہے ہیں۔ مذہب کے بہت سے نکات قرآن کریم اور گیتا کے مطالعے سے حل ہوئے۔ سرور کائنات رسول عربی صلعم میں مجھے انسان کی کامل ترین صورت نظر آتی ہے۔ ان کے علاوہ گوتم بدھ، مہاویر، سری کرشن اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ متاثر ہوتا ہوں۔ .... تصنیفات:۔ "جام صہبائی" (مجموعہ رباعیات) ۱۹۲۸ء میں شایع ہوئی۔ "خمستان" (غزلوں، رباعیوں اور نظموں کا مجموعہ) ۱۹۳۳ء۔ "جام طہور" (مجموعہ رباعیات) ۱۹۳۷ء .... کسی ایک نظم کو بہترین کہنا بہت مشکل ہے۔ اپنی ایک اچھی نظم بھیج رہا ہوں۔"

احتشام حسین

"پیدائش ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ وطن ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبے میں ہے۔ ابتدائی تعلیم پرانے شرفا اور رؤسا کے دستور کے مطابق مکتب میں ہوئی جس میں مذہبی تعلیم کا عنصر

غالب تھا لیکن بنیاد مذہبی نہ تھی۔ گھر کی حالت میں وہ تضاد پیدا ہو چکا تھا جس میں حقیقت اور خیال کے درمیان جنگ رہتی ہے۔ خاندان اور ملنے جلنے والوں کا ماحول اُس قدامت پسندی اور معیاری اخلاق پرستی سے بنا تھا جس میں آزادیٔ خیال اور آزادیٔ فکر کے لئے مواد نہیں مل سکتا لیکن بغاوتوں کے لئے مل سکتا ہے۔ انگریزی تعلیم کی ابتدا اعظم گڑھ سے ہوئی۔ جہاں ذہنی پستی اور عام مسائل سے طلباء کی علیحدگی اُس وقت بہت نمایاں تھی اس لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ ذہنی نشوونما کا موقع کافی نہ ملا۔ ہر درجے میں انعام ملتا تھا مگر اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے کہ میری عام معلومات کتنی کم تھی۔ انٹرمیڈیٹ کے لئے الہ آباد آنا پڑا۔ وہاں آٹھ سال کے مسلسل قیام میں کئی ذہنی دور گزر گئے۔ مختلف قسم کی پابندیاں اور رکاوٹوں کی وجہ سے آزادیٔ رائے اور خودنمائی کی بہت کمی رہی اور شخصیت کو پوری طرح نمایاں ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ زیادہ پڑھنے اور غور کرنے کی وجہ سے یہ کمی ایک حد تک رفع ہوئی، لیکن آج بھی باقی ہے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کا زمانہ دل اور دماغ دونوں کے لئے طوفانی تھا لیکن اسے کوئی نہیں جانتا۔ مضمون کا شوق غالباً ۱۹۲۶ء میں ہوا۔ اُس وقت کچھ افسانے لکھے، جس میں زبان کے لحاظ سے نیاز فتحپوری کا تتبع تھا۔ اور پلاٹ وغیرہ میں رومانی عمومیت تھی۔ بی۔ اے میں پہنچ کر ہر طرح کے مضامین لکھنے کا شوق ہوا۔ اور تاریخ و تنقید کے اچھے، برے مضامین سے لے کر سنجیدہ اور مزاحیہ افسانوں اور ڈراموں تک سب کچھ لکھا۔ کبھی کبھی غزلیں اور نظمیں بھی لکھیں۔ لیکن بہت کم۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے الہ آباد یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کئے۔ قانون پڑھ رہا تھا کہ ملازمت مل گئی۔ اب لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی و اردو میں لکچرر ہوں۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں شادی کر لی اور اندھیرے میں تیر لگانے کے باوجود اب تک یہ نہیں کہہ سکتا کہ ٹھیک نشانے پر نہیں بیٹھا ہے تاہم یہ اتفاق ہو یا کوئی اور بات مجھے اعتراف ہے کہ اپنی قدامت پسند ابتدا رہتے

میں خوش نہ تھا۔ مجھے کچھ اندھیرا سا نظر آرہا تھا۔ ہندوستان کے مختلف ترقی پسند تحریکوں نے وہ اندھیرا دور کر کے مجھ میں کسی قدر خود اعتمادی کی طاقت پیدا کی اور میرے بہت سے خوابیدہ اور نیم بیدار خیالات کو ظاہر ہونے اور پھیلنے کا موقع دیا۔ [illegible] مکرم پروفیسر اعجاز حسین صاحب الہ آباد یونیورسٹی اور استاد محترم پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق الہ آباد یونیورسٹی کا نام روشنی دکھانے کے سلسلے میں نہ لینا احسان فراموشی ہوگی۔ اس وقت بھی میری ذہنیت ایک متشکک کی ذہنیت معلوم ہوتی ہے۔ خبر نہیں آئندہ کیا ہو...... اپنی ایک نظم جو مجھے کئی وجہوں سے سب سے زیادہ پسند ہے بھیجتا ہوں"

احسان دانش

نام احسان الحق، والد کا نام قاضی دانش علی۔ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ وطن کاندلہ ضلع مظفر نگر ہے۔ حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے صرف چوتھی جماعت تک تعلیم پائی۔ وطن سے لاہور چلے آئے، اور مزدوری، معماری، چوکیداری وغیرہ کرتے رہے۔ اور اسی کے ساتھ مطالعہ بھی جاری رکھا، اور آہستہ آہستہ شعر کہنے کی مشق بھی کرنے لگے۔ کچھ عرصہ ایک بک ڈپو میں کام کرنے کے بعد مکتبۂ دانش کے نام سے اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر لیا۔ آپ کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں مثلاً "تفسیر فطرت"، "چراغاں"، "نوائے کارگر"، "آتش خاموش" "درد زندگی"، "جادۂ نو"

احمد ندیم قاسمی

"میں ۱۹۱۵ء میں موضع انگہ، تحصیل خوشاب، ضلع سرگودھا (پنجاب) میں پیدا ہوا۔ میرے آباؤ اجداد اپنے علاقے اور سیالکوٹ، گجرات اور کشمیر میں پیر مانے جاتے ہیں۔ اس لئے نام کے ساتھ پیرزادہ بھی لکھتا ہوں، گو آج کل پیری میرے نزدیک اسلام کے زوال کا سب سے بڑا باعث ہے۔ چار جماعتیں اپنے گاؤں میں پڑھیں

والد صاحب ۱۹۲۴ء میں وفات پا گئے۔ اپنے حقیقی چچا خان بہادر وسیم حیدر شاہ مرحوم افسر مال کے زیر سایہ اٹک، شیخوپورہ اور بھاولپور میں تعلیم پاتا رہا۔ ۱۹۳۵ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۱ء میں مجھے شعر کہنے کا شوق ہوا۔ اور بغیر کسی راہبر کے اس میدان میں آگے بڑھتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں محکمۂ آبکاری میں سب انسپکٹر کی حیثیت میں داخل ہوا اور آج کل ملتان میں سب انسپکٹر ہی ہوں۔ افسانوں کا ایک مجموعہ "چوپال" دار الاشاعت پنجاب نے چھاپا۔ اور دوسرا مجموعہ "بگولے" عنقریب مکتبۂ اردو لاہور والے چھاپیں گے۔ مجھے پنجابی دیہات سے خاص دلچسپی ہے اور انہیں دیہات سے میں اپنے معاشرتی، رومانی، اور ترقی پسند افسانوں اور نظموں کا مواد حاصل کرتا ہوں .... بہترین نظم انتخاب کرنا خود شاعر کے لئے اسی طرح دشوار ہے جس طرح قاری کے لئے، لیکن ایک نظم پیش کر رہا ہوں جو میری بہترین نظموں میں سے ہے"۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ "دھڑکنیں" شائع ہونے والا ہے

اختر انصاری

"حالات زندگی؟ وہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں، مایوسی، ناکامی، اور بربادی کی ایک مسلسل اور اسی لئے ایک غیر دلچسپ داستان ہے۔ میرا وطن دہلی اور سن پیدائش ۱۹۰۹ء ہے۔ زندگی کے ابتدائی چار یا پنج سال پنجاب کے مختلف شہروں میں گزرے، اس کے بعد ۲۲ سال کی عمر تک مسلسل دہلی میں رہا۔ وہیں ہوش سنبھالا، اور وہیں تربیت و تعلیم کی منازل طے کیے۔ ۱۹۳۰ء میں یونیورسٹی سے بی۔ اے (آنرز) کیا۔ ۱۹۳۲ء میں انگلستان گیا، لیکن حالت کی نامساعدت کی بنا پر کچھ حاصل کئے بغیر جلد ہی واپس ہوا۔ ہندوستان پہنچ کر قانون پڑھنا شروع کیا، گر جی نہ لگا۔ اور ایک سال پڑھ کر چھوڑ دیا۔ ۱۹۳۴ء میں ٹریننگ کالج علیگڈھ سے امتیاز کے ساتھ بی۔ ٹی پاس کیا۔ [illegible]ء سے مسلم یونیورسٹی اسکول میں بطور

انگلش ٹیچر کے کام کر رہا ہوں۔ ۲۸ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ ۱۹۳۲ء میں نظموں کا ایک مجموعہ بنام "نغمۂ روح" شایع کیا۔ ۱۹۳۴ء سے نثر شروع کی۔ اور افسانے کا میدان منتخب کیا۔ اس وقت تک افسانوں کے دو مجموعے "اندھی دنیا" اور "زنانہ" شائع ہو چکے ہیں حال ہی میں قطعات کا ایک مجموعہ "آبگینے" کے نام سے شائع ہوا ہے ...... "اودے شنکر" میری بہترین نظموں میں سے ہے میرا خیال ہے کہ نظموں کا یہ مجموعہ اپنی قسم کی پہلی چیز ہوگا، اور میں آپ کی جدت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا"

اختر شیرانی

"میری بہترین نظم ابھی تک خلوت فکر سے جلوت ذکر میں نہیں آئی جب یہ خوشگوار حادثہ رونما ہوگا آپ کو مطلع کر دوں گا۔ رہی میری سوانح عمری تو اس کے لئے اس قدر کہنا کافی ہوگا ؎

زباں دان محبت بودہ ام دیگر نمی دانم
ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید ایں جا"

آل احمد سرور

"پیدائش ۱۹۱۱ء۔ وطن بدایوں۔ ۳۲ء میں آگرے سے بی۔ ایس سی پاس کیا۔ سائنس سے زیادہ دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے ایم۔ اے میں انگریزی لی۔ ۱۹۳۴ء میں علیگڑھ سے ایم۔ اے کیا۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی میں لیکچرار ہو گیا۔ ۱۹۳۶ء میں اردو میں ایم۔ اے کیا اور اس کے بعد سے شعبہ اردو کو اپنی خدمات منتقل کرالیں۔ ۱۹۳۵ء میں ایک چھوٹا سا مجموعہ "سلسبیل" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد زیادہ توجہ نثر خصوصاً تنقید کی طرف رہی۔ شاعری کو اپنے شوق کی چیز سمجھتا ہوں، شہرت کا ذریعہ نہیں۔"

امین حزیں

محمد مسیح پال نام۔ "تاریخ پیدائش ۲۴ اگست ۱۸۸۴ء۔ علمی ڈگری کوئی نہیں۔ انڈر گریجویٹ ہوں۔ سیالکوٹ ہی کے کالج میں تعلیم پائی تھی۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۳۹ء تک گورنمنٹ عالیہ ہند کے محکمۂ فارن الفرنس میں ملازمت کر کے انڈین اسسٹنٹ ٹو دی پولیٹیکل ایجنٹ گلگت کے گزیٹڈ عہدے سے پنشن یاب ہوا۔ شعر کہتے بیالیس چوالیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ میری شاعری مفکرانہ اور افادی ہے۔ گل و بلبل کی تفریحی شاعری نہیں۔ میں پیام عمل کا حامل ہوں۔ خودی کی تشریح، اپنے نظریۂ ایقان کی تفسیر، اور قلب کی وسعت ممکنات میری شاعری کے موضوع ہیں۔ آج کل مروجہ فحش شاعری سے جسے رومانی شاعری کہا جاتا ہے۔ مجھے بغض للّہی ہے ...... میرے نقطۂ نگاہ سے میری ہر نظم بہترین ہے۔ اگر ایسا محسوس نہ ہو تو وہ نظم بیاض میں رکھی ہی کیوں جائے یا اُسے شائع ہی کیوں کیا جائے۔" آپ کی نظموں کا مجموعہ "گلبانگ حیات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اندرجیت شرما

"تاریخ پیدائش ۳ دسمبر ۱۹۳ء مقام کھرکھودہ ضلع میرٹھ۔ تعلیم اردو فارسی میں نارمل۔ انگریزی میں انٹرنس پاس کیا۔ بہ پیشہ زمینداری و معلمی عرصہ پندرہ سال تک مڈل اسکول ماچھرہ میں انگلش ٹیچر رہا۔ آج کل بطور ہیڈ ماسٹر کام کر رہا ہوں۔ نظمیں لکھنے کا زیادہ شوق ہے۔ ادبی، اخلاقی اور نیچرل نظمیں تقریباً ڈھائی سو لکھی ہیں۔ تقریباً ساٹھ غزلیں اور پچاس گیت ہندی رنگ میں لکھے ہیں۔ ان میں سے اکثر ریکارڈوں پر بھرے جا چکے ہیں۔ ۱۹۳ء تک کا کلام بعنوان "نیرنگ فطرت" یو۔ پی میں ٹیچرس یوس کے لئے اور بمبئی اور سی۔ پی میں لائبریریوں اور انعامات کے لئے

منظور ہوئی، اور اس میں کی اکثر نظمیں طلباء کے کورس میں داخل ہو چکی ہیں۔ استاد جناب مولانا ندرت صاحب میرٹھی ہیں۔"

آنند نرائن ملاّ

"پیدائش ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۱ء بمقام لکھنؤ۔ کیننگ کالج لکھنؤ سے ۱۹۲۳ء میں ایم اے اور ۱۹۲۵ء میں ایل۔ ایل بی پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں آئی سی ایس کے امتحان میں بیٹھا، لیکن اردو کے پرچے میں نمبر بہت کم ملنے کی وجہ سے فیل ہو گیا۔ نمبر کم ملنے کی غالباً دو وجہیں تھیں۔ ایک تو پرچے کے جوابات بجائے اردو کے انگریزی میں دیئے۔ دوسرے رائج الوقت نقطۂ نظر سے بالکل اختلاف تھا، مثلاً میر کو خدائے سخن ماننے کو ہرگز تیار نہیں، کیونکہ میر کی شاعری محض ایک مشتعل دل کی شاعری ہے نہ اس میں کوئی فلسفیانہ گہرائی ہے نہ ذہنی رفعت۔ ۱۹۲۵ء سے لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ ۱۵، یا ۱۶ سال کی عمر سے انگریزی میں تھوڑی بہت نظم کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ میں نے انیسؔ کی چند رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ جس کو لوگوں نے کافی پسند کیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں اقبال کے "پیام مشرق" کے قریب سو قطعات کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ پنڈت منوہر لال زتشی نے جب یہ ترجمہ دیکھا تو مجھے مشورہ دیا کہ میں اپنی شاعرانہ قابلیت کو انگریزی شعر کہہ کر ضائع نہ کروں بلکہ اردو میں شعر کہا کروں چنانچہ ان کے اصرار پر ۱۹۲۷ء میں پہلی نظم کہی جس کا عنوان "پرستارِ حسن" تھا، کبھی شعر کہنے کی نیت سے بیٹھ کر آج تک کبھی شعر نہیں کہا جو کچھ کہا ہے وہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کہا ہے۔ بڑی سے بڑی نظمیں اولین مصرع سے آخر تک دماغ ہی میں نظم ہوئیں۔ غزلیں بھی یونہی کہی گئیں۔ چونکہ خیال پر کبھی قافیہ اور ردیف کی پابندی لگا کر فکر نہیں کی لہٰذا ایسا کئی بار ہوا کہ طرح پر تو شعر کوئی نہ کہہ سکے، لیکن دو دو چار شعر طبع زاد زمینوں میں نکل آئے۔ ایسا تو ہمیشہ ہوا کہ ایک غزل کہتے کہتے دو چار طبع زاد غزلیں تیار ہو گئیں۔

کسی کا شاگرد بننا میرے ذوق نے گوارا نہ کیا۔ اوّل تو یہ کہ شاگردی سے انفرادیت اس قدر مجروح ہوتی ہے کہ پھر جان پر نہیں ہو سکتی استاد کا رنگ شاگرد کے کلام پر ایک نہ ایک حد تک ضرور حاوی ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اس کے جذبات میں مختلف طریقوں سے کیف پیدا ہوتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر ایک مخصوص عالم طاری ہوتا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ ایک آدمی کے دل کی ترجمانی دوسرا کس طرح کر سکتا ہے کہنے کو تو خوشی اور غم دنیا میں سب کو ہوتی ہے۔ لیکن ایک ہی غم اور خوشی کا اثر دنیا میں دو انسانوں پر بھی یکساں نہیں ہوتا ہی شاعر کامیاب ہے جو اس مخصوص اثر کو ادا کر سکتا ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ شاعر کے لئے سب سے پہلے صداقت کی ضرورت ہے اور صداقت دوسرے کے رنگ میں ڈوب کر قائم نہیں رہ سکتی استاد زبان کی غلطیاں ضرور دور کر سکتا ہے لیکن اس طرح شاگرد کی ذہنی ترقی نہیں ہوتی، اور اگر شاگرد میں جوہر قابل ہے تو وہ کچھ زمانہ بعد اپنے پرانے کلام پر نظرثانی کر کے ان غلطیوں کو بغیر اپنے مفہوم کا خون کئے ہوئے استاد سے کہیں بہتر طریقے سے نکال سکتا ہے۔ ابھی تک کوئی پچاس ساٹھ نظمیں کہی ہیں اور قریب سو غزلیں۔"

بلقیس جمال

"دسمبر ۱۹۰۹ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئی۔ قرآن شریف بہ عمر سات سال ختم کیا، اور گھر ہی پر اردو فارسی اور کچھ انگریزی حاصل کی بہ عمر نو سال مضمون نگاری شروع کی۔ ۱۹۲۳ء سے شاعری کی ابتدا ہوئی۔ ابتدائی اصلاح جناب ماجد علی صاحب الہ آبادی نے فرمائی پھر ایک سال سید طالب علی صاحب الہ آبادی نے اصلاح سخن کی۔ نظمیں اور مضمون برابر اخبارات و رسائل میں شایع ہوتے

ہیں۔ سنہ [illegible]ء میں شادی ہوئی۔ اور آٹھ سال میرٹھ میں مقیم رہی۔ جون سنہ [illegible]ء میں میرے شوہر عبدالجلیل صاحب بی۔ ایس، سی۔ ایل، ایل۔ بی نے رحلت فرمائی اب مظفر نگر میں ہوں"۔

تاجور نجیب آبادی

"سنہ ۱۸۹۴ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوا۔ دیوبند میں نو سال تک تعلیم پائی اور دو سال وہیں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دی۔ منطق و فلسفہ اور عربی ادب میرے محبوب مضامین ہیں۔ یہ میری بدطالعی ہے کہ اردو جو ابتدا میں میری تفریح تھی، اب زندگی بن گئی ہے اردو ادب کے جنون خدمت پر اپنی جوانی، صحت، طاقت، دماغ تیس ہزار روپیہ ذاتی کمائی، گویا اپنا حال اور بچوں کا مستقبل سب کچھ اسی مالیخولیا کی نذر کر دیا۔ علمی شہرت کے ساتھ علمی مشاغل کے مواقع بھی اسی خبط کے سر صدقے ہو گئے۔ شاعری سے نفرت کرنے لگا ہوں، مگر یہ مصیبت میری گلوگیر بنی ہوئی ہے مہر شعبۂ ادب کی خدمت کے لئے ہندوستان گیر شاگردوں کی ایک جماعت پیدا کر کے خود شعبۂ ادب کے لئے غیر ضروری چیز بن گیا ہوں۔ اگر تناسخ کی گردشیں کبھی مجھے بہ حیثیت انسان دنیا میں پھر لائیں تو اس زندگی میں اپنی سب سے اچھی نظم کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں لدھیانے سے میری نگرانی میں "آفتاب اردو" جاری ہوا۔ سنہ [illegible]ء میں "مخزن" کا ایڈیٹر بنا۔ سنہ [illegible]ء میں "ہمایوں" کی ادارتی ذمہ داریوں میں شامل ہوا۔ مئی سنہ ۱۹۲۹ء میں وہ یادگار تاریخ ادب ماہنامہ جاری کیا جو "ادبی دنیا" کے نام سے روشناس ہند و ممالک مشرق ہوا۔ سنہ [illegible]ء میں ماہنامہ "شاہکار" جاری کیا۔ یہ اُستروں کی مالا ابھی تک گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔ انجمن ارباب علم پنجاب کے ذریعے میں نے اردو شاعری کا ایک اصلاحی پروگرام پیش کیا۔ (۱) اردو شاعری میں دوسری زبانوں کے خوشگوار اوزان کی ترویج (۲) بے قافیہ نظموں کی ترویج (۳) محبوب کے لئے مؤنث

کی ضمیر کا استعمال ردیف یا قافیہ کی غیر فطری پابندیوں کو کم کرنا اور اردو شاعری کو خیالات و تلمیحات و اوزان کے لحاظ سے ہندوستانی شاعری بنانا (۶) غیر فطری خیالات سے اردو شاعری کو پاک کرنا۔ سنہ ۱۹۱۸ء سے میں نے اپنی تمام کوششیں اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں صرف کئے رکھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ عام شاعری کا لہجہ بدلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ ذیل کی نظم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آج تک اردو شعرا محبوب کے لئے ظالم، قاتل، کافر، ہرجائی، فریبی جیسے مکروہ الفاظ استعمال کرتے رہے ہیں۔ شعرا کی تعریفوں سے اگر ایک جاندار کی صورت بنائی جائے تو وہ پیکر جمال بھوت پریت اور چھلاوہ سے زیادہ خوفناک بنے گا۔ ذیل کی نظم میں محبوب کے حسن ظاہری و جمال سیرت کو مکمل انسانیت کے قالب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میری اس نظم سے ایک مکمل انسان کی تصویر بنے گی۔ اس قسم کی نظمیں پڑھنے والے کے خیالات میں پاکیزگی اور جذبات میں بلندی پیدا کر سکتی ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ نظم شاعری کا ایک جدید اسکول قائم کرنے کی طرف جدید عہد کے شعراء کے لئے مشعل راہ بن سکے"۔

تخت سنگھ

"اپریل سنہ ۱۹۱۷ء بمقام لائل پور میرا جنم ہوا۔ میرے والد صاحب کو فوجی خدمات کے صلے میں زمین عطا ہوئی اور انہیں ضلع منٹگمری کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش اختیار کرنا پڑی یہیں میری تعلیم کا آغاز ہوا۔ والد صاحب نے لائل پور کے ایک بڑے گاؤں میں اپنی زمین کو منتقل کرا لیا۔ چوتھی جماعت تک گاؤں کے مدرسے میں ہی پڑھتا رہا اور پنجابی لوئر فائنل کا امتحان ڈسٹرکٹ سے پاس کیا۔ ان ہی دنوں مجھے شعر و شاعری کا شوق چرایا۔ میٹرک کر کے خالصہ کالج لائل پور میں داخل ہو گیا۔ کالج میگزین کے حصہ اردو اور انگریزی کا ایڈیٹر اور بزم ادب کا سکریٹری رہا۔ پھر گورنمنٹ کالج لائل پور میں داخل ہوا۔ پنجابی،

اردو، انگریزی تینوں میں اشعار لکھا کرتا تھا۔ علامہ کیفی دتاتریہ کی محبت نے
میری شاعری کو چمکا دیا۔ بی۔ اے پاس کر لینے کے بعد ایک سال تک پریت نگر
میں ملازم رہا۔ اب جین ریاست میں ایک مڈل اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہوں مجھ
پہ میراجی کی خاص نظرِ عنایت ہے اور یہی کارن ہے کہ ایک سکھ ہوتے ہوئے بھی
مجھے اردو سے بے اندازہ محبت ہے۔"

تصدق حسین خالد

"۲ نومبر ۱۹۰۰ء کو بمقام پشاور جہاں میرے والد میاں محمد بخش صاحب
بسلسلہ ملازمت تھے پیدا ہوا۔ پیدائش کے فوراً ہی بعد والد صاحب کا تبادلہ
راولپنڈی ہو گیا والدین کا دوسرا لڑکا ہوں ۔۔۔۔۔ تعلیم اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی
میں پرائمری اور مڈل میں ضلع بھر میں اول رہ کر وظائف حاصل کئے۔ انٹرنس میں
اسکول میں اول رہا۔ امتحان ایف۔ اے گارڈن کالج راولپنڈی سے پاس کیا
کالج میں اول رہا اور وظیفہ حاصل کیا۔ کالج کی ادبی مجالس یعنی سنز دا کلب
اور بزمِ سخن کا سکریٹری اور صدر رہا۔ بی۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا۔ کالج
کے بزمِ سخن اور ٹیوٹوریل گروپ کا سکریٹری تھا۔ ۱۹۲۴ء میں انگریزی ادبیات
میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور اسی سال پنجاب سول سروس کے
مقابلے کے امتحان میں شامل ہوا اور ہر مضمون میں اوّل رہا اور ریکارڈ نمبر حاصل
کیے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۲ء تک پنجاب کے مختلف اضلاع میں بطور اکسٹرا
اسسٹنٹ کمشنر متعین رہا۔ ۱۹۳۲ء میں پنشن حاصل کر کے انگلستان برائے
تعلیم روانہ ہو گیا۔ وہاں لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز اور پی۔ ایچ
ڈی کے امتحانات پاس کئے۔ اور ۱۹۳۵ء میں بیرسٹر ہو کر واپس ہو کر ہندوستان
آیا۔ کالج کی یونین کا پہلا ڈپٹی پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ اس سے پہلے اس عہدے

پر ہندوستانی اور کیا غیر ہندوستانی طالبِ علم کبھی فائز نہ ہو سکا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں
رائل اکنامکس سوسائٹی لندن نے اپنا فیلو منتخب کیا۔ ۱۹۳۵ء سے لاہور
ہائی کورٹ میں پریکٹس کر رہا ہوں۔ شعر سے بچپن سے مناسبت ہے ۱۹۱۹ء
سے شعر کہنا شروع کیا۔ ابتداءً غالب اور اقبال کا مطالعہ بیشتر رہا۔ اس
لئے اُن کا رنگ غالب تھا ازاں بعد ۱۹۲۵ء سے نئے Form اردو
شاعری میں رائج کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ انگلستان میں جدید
شاعری کا مطالعہ کیا اور سب سے پہلے اردو شاعری میں آزاد شاعری کو فروغ
دیا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کا عنوان تھا: حالی بطور شاعر، نقاد، اور
سوانح نگار اُس کا اثر اردو ادب پر۔" اس کے علاوہ علامہ اقبال اور
اکبر پر کتابیں تحریر کی ہیں، اور اردو ادب کی تاریخ لکھی ہے جو پریس میں
دی گئی ہے۔ مولیر کا ڈرامہ "زبردست"، سوفاکلیز کا "اڈی پس"
آسکر وائلڈ کا "لیڈی ونڈرمیرز فین" ترجمہ کئے ہیں۔ نظموں کا مجموعہ
بعنوان "سرودِ نو" پریس میں دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ کسی شاعر کے لئے یہ کہنا کہ اس کی
بہترین نظم کون سی ہے۔ بڑا مشکل کام ہے۔ مجھے اپنی کئی نظمیں پسند ہیں ان میں
سے ایک یہ بھی ہے۔"

تلوک چند محروم

"اکبر کا ایک شعر ہے جو حافظے سے اتر گیا ہے ۔۔۔۔۔۔ بی۔ اے ہوئے
نوکر ہوئے اور مر گئے۔ پہلے مصرع میں کارنمایاں کہہ گئے! بس وہ اپنے حال پر
صادق آتا ہے کوئی خاص واقعہ سوائے چند حادثات روح فرسا کے نوٹس کے لائق
نہیں تاریخ پیدائش ۱۸۸۷ء مقام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی۔ تعلیم بی۔ اے تک۔
عمر بھر مدرسی۔ تک اگلے برس (۱۹۴۲ء) ملازمت سے سبکدوشی۔ شاعری

کا شوق بچپن سے . کسی سے اصلاح نہیں لی ۔ عروض وغیرہ کچھ نہیں پڑھا نظموں کے چند مجموعے شائع ہوئے ۔ آخری کا نام ہے ۔ "گنجِ معانی" ...... شاعر کے لئے اپنی بہترین نظم کا انتخاب ذرا مشکل کام ہے ۔ ایک نظم جس کی تعریف اکثر اصحاب فرماتے ہیں ۔ ارسال ہے ۔"

جاں نثار اختر

"میری پیدائش ۱۹۱۴ء کی ہے ۔ تعلیم علیگڈھ میں پائی وہیں سے ۱۹۳۹ء میں ایم ۔ اے پاس کیا اور اب وکٹوریہ کالج گوالیار میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں ۔ علی گڈھ کے دوران قیام میں انجمن اردو معلیٰ کے سکریٹری اور علی گڈھ میگزین کے ایڈیٹر کی خدمات بھی انجام دیتا رہا ۔ شاعری کا ذوق وراثت میں پایا ۔ میرے والد مضطر خیرآبادی کے نام نامی سے آپ واقف ہوں گے میری شاعری علیگڈھ میں پروان چڑھی ابتدا میں صرف رومانی نظمیں کہتا تھا ۔ اب رومانی اور انقلابی دونوں طرح کی شاعری کرتا ہوں ۔ میرے خیال سے آپ خود شاعر سے اُس کی بہترین نظم انتخاب کرانے میں حق بجانب نہیں ہیں ۔ یہ امر ناممکن سا ہے ۔ ایک نظم جسے میں اپنی نظموں میں اچھی نظم سمجھتا ہوں پیش کئے دیتا ہوں ۔"

جوش ملیح آبادی

نام شبیر حسن خاں ۔ ولادت ۱۸۹۶ء ۔ آپ کے بزرگ کابل سے آکر ملیح آباد میں قیام پذیر ہو گئے تھے ۔ شاعری ورثے میں پائی ۔ بارہ سال کی عمر سے شاعری شروع کی ۔ ابتدا میں عزیز لکھنوی سے اصلاح لی ۔ آپ کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں مثلاً "حرف و حکایت" "شعلہ و شبنم" "جنون و حکمت" "نقش و نگار" "فکر و نشاط" "آیات و نغمات"

"شاعر کی راتیں" ۔ آج کل آپ "حرفِ آخر" لکھنے میں مصروف ہیں ۔

حامد علی خاں

۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے ۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں نیشنل یونیورسٹی علیگڈھ سے بی ۔ اے کیا اور وہیں پر وفیسر ہو گئے ۔ پھر پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور بی ۔ اے پاس کیا ۔ اب ہمایوں کے مدیر ہیں ۔

حفیظ جالندھری

۱۹۹۹ء میں پیدا ہوئے ۔ شعر گوئی سات سال کی عمر سے شروع کی ۔ گرامی کے شاگرد ہیں ۔ شروع میں مختلف طرح کے پیشے مثلاً عطر فروشی ، خیاطی مزدوری سنگر سلائی مشین کمپنی کی منیجری وغیرہ اختیار کرنے پڑے ۔ ۱۹۲۲ء میں لاہور آ گئے ۔ اور پھول اور تہذیب نسواں کی ادارت کچھ دن تک کی ۔ ہفت پیکر آپ کے افسانوں کا مجموعہ ہے نظموں اور غزلوں کے دو مجموعے "نغمہ زار" اور "سوز و ساز" ہیں "شاہنامہ اسلام" کی تین جلدیں نکل چکی ہیں ۔

حفیظ ہوشیارپوری

۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے ۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۳۶ء میں ایم ۔ اے ۔ فلسفے میں پاس کیا ۔ گرامی ، صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم اور سید احمد شاہ بخاری صاحب کی صحبتوں سے بہت اثر پذیر ہوئے ۔ ابتدا سے انگریزی شاعری کی طرف بہت رغبت تھی ۔ چنانچہ انگریزی نظمیں بھی لکھیں ۔ آج کل آل انڈیا ریڈیو لاہور سے متعلق ہیں

رابعہ پنہاں

"پیدائش ۱۹۰۶ء ان دنوں دہلی میں قیام ہے ۔ شوہر صغیر حسن صاحب ہیڈ ماسٹر فتحپوری مسلم ہائی اسکول ہیں ۔"

راجہ مہدی علی خاں

اپنی بہترین نظم بھیج رہا ہوں۔ آپ کی حسین جدت طرازی کی داد دیتا ہوں"
۱۹۲۳ء میں بمقام کرم آباد پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کو شاعری سے
بے حد شغف تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ روزنامہ "زمیندار" "احسان"
"انقلاب" ہفت روزہ "خیام" کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آج کل "تہذیب
نسواں" اور "پھول" کے ایڈیٹر ہیں۔ محترمہ ح۔ ب صاحبہ کے صاحبزادے
اور حامد علی خاں صاحب مدیر ہمایوں کے بھانجے ہیں۔ آپ کی چند مشہور کتابیں
"چاند کا گناہ" "کملا" "ستارۂ صبح" "پھولوں کی ڈالی" ہیں۔

سعید احمد اعجاز

"وطن سیالکوٹ۔ تاریخ پیدائش ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء زمانہ طفلی کے ۶ سال
ایبٹ آباد میں گذرے دو سال سیالکوٹ میں بقیہ حصہ عمر صوبہ بہار میں جولائی ۱۹۴۷ء
سے لاہور میں قیام پذیر ہوں۔ میرا ماحول آغاز کار سے آج تک شعریت سے
مطلقاً عاری رہا ہے اور میرے گرد و پیش ہمیشہ ایسے عناصر کا ہجوم رہا جن کے
درمیان رعنائی خیال کا تصور کرنا بھی کچھ ناممکن سا ہے۔ ایسے ناساعد ماحول
میں میرے شاعرانہ احساس اور تخیل کا زندہ رہنا، پنپنا اور پھر شباب کو پہنچنا
فطرت کی ایک عجوبہ کاری سے کچھ کم نہیں۔ میٹرک تک زمانہ تعلیم دھن باد میں
کوئلے کی کانوں کے درمیان گزارے ہیں۔ پٹنہ میں دو سال تک سائنس کالج
کے معمل میں تیزابی گیسوں کے تعفن اور لطافت احساسات کا دم گھونٹ
دینے والے دھوئیں میں رہ کر انٹرمیڈیٹ سول انجینیرنگ کے امتحان کا مرحلہ
طے کیا جس کے بعد مزید چار سال تک پٹنہ انجینیرنگ کالج کی چار دیواری میں
جہاں مشینوں کی بیزار کن گھڑگھڑاہٹ کے سوا زندگی میں کوئی نغمہ نہیں

محبوس رہنا پڑا...... ۱۹۳۸ء میں بی۔ ایس۔ سی۔ ای کی ڈگری حاصل کی۔ ایک سال
کے لئے بنگال ناگپور ریلوے کی سنسان پٹری پر ٹریننگ کی میعاد گزاری۔ اور اب
لاہور سوریج اسکیم کے سلسلے میں پنجاب پی ڈبلیو ڈی میں انجینیر کی خدمات سرانجام
دے رہا ہوں۔ کہتے ہیں لاہور معمورۂ شعر و ادب اور بلدہ جمالیات ہے
ہوگا۔ مجھے خبر نہیں۔ میرا کام تو شہر کی گندی نالیوں اور زمین دوز نالیوں کی
تعمیر ہے۔ جمالیات سے اس کا تعلق کیا۔ کہاں شاعری کی نازک خیالیاں
اور کہاں ننگ و حشت کا مضمون! خدایا یہ اجتماع ضدین کیسا؟ ایک شاعر
اور انجینیر، ایک انجینیر اور شاعر! میری روح کی خوابیدہ شعریت کو بیدار کرنے
والی پہلی چیز اقبال کا ترانۂ ملی تھا۔ جسے میں نے بچپن میں والدہ مرحومہ
سے سنا۔ درحقیقت یہ انھیں کا ذوق ادب تھا جو ہمیشہ کے لئے میری روح میں بس
کر رہ گیا...... دیر تک ادبی طبقے مجھے ایک رباعی گو کی حیثیت سے جانتے
رہے ہیں۔ لیکن گذشتہ دو سال سے میری طبیعت کا رجحان آزاد نظم اور اپنے
اختصار کی بنا پر چینی یا جاپانی طرز سے ملتی جلتی مختصر نظموں کی طرف ہے۔

سلام مچھلی شہری

"میری بہترین نظم ہے میں اس موڈ میں اور صرف اس وقت اپنی یہ نظم
(سات پینٹنگ) بہترین خیال کرتا ہوں! تاریخ پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں
اس لئے کہ جس درمیانی طبقے سے میں تعلق رکھتا ہوں وہاں پیدائش کی تاریخ
رکھنے کا رواج نہیں ہے۔ اسکول کی تاریخ پہلی جولائی ۱۹۲۱ء ہے۔ اور
یہ تاریخ اصل عمر سے دو ہی سال کم ہو۔ میرے دادا حاجی محمد اسمٰعیل محدّث
قرآن اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا......
دادا کے انتقال کے وقت میرے چچا اور والد (عبدالرزاق) بہت کم عمر تھے تعلیم

اور عمدہ تربیت سے محروم ہونے کے باعث زندگی کے لئے کوئی نمایاں راستہ نہ پا سکے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا، میرے چچا فوت ہو چکے تھے اور والد کپڑے کے ایجنٹ تھے۔ لڑکپن میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم لوگوں کو کسی بات کی تکلیف نہیں ہے۔ والد اب بھی بمبئی کی اسی کمپنی کے ایجنٹ ہیں۔ مگر آج اُن کی افسردہ صورت اُن کا خاموش گھر اور اُن کے حسرت زدہ بچے انقلاب وقت کی نمائندگی کے لئے کافی ہیں۔ قرآن ختم کرنے کے بعد چند پاروں کا حافظ ہوا پھر مکتب اور پرائمری اور مڈل اسکول کا طالب علم۔ صبح کے وقت کھیت کی منڈیروں اور شام کو "پلٹا کے باغ" میں لوگ مجھے تاریخ یا جیومیٹری کی کتاب میں محو دیکھ کر میرے اور میرے مستقبل کے متعلق طرح طرح کی رائیں قائم کیا کرتے تھے ...
اس وقت میری ادبی زندگی اُستاد کی بخشش اور دیوان کی چوری سے ہٹ کر رسالوں کی نظموں کی نقل کی کوشش کر رہی تھی، اور کبھی کبھی میں بغیر کسی کی مدد کے بھی اچھی چیزیں لکھ لیا کرتا تھا۔ ان ہی دنوں "نیرنگ خیال" میں پہلی بار میری کوئی مختصر ترین کہانی شائع ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں مڈل پاس کرنے کے بعد وطن کے دو زمینداروں کی سرپرستیوں کی بدولت انگریزی تعلیم کے لئے فیض آباد چلا آیا۔ نویں جماعت میں میں کانگریس سے زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ اور طالب علم سے زیادہ ایک کانگریسی سوشلسٹ اور قومی شاعر خیال کیا جانے لگا۔ انٹرنس میں ناکام رہنے کے باعث اب میں تعلیم پرائیوٹ ہی طور پر جاری رکھ سکتا تھا اس لئے اور بھی کہ میں کانگریسی تھا اور میرے سرمایہ دار سرپرست میری مدد نہیں کر سکتے تھے۔ فیض آباد کے شکاری پریس نے میری ادارت میں "نغمہ" نام کا ایک ماہنامہ جاری کیا جو نومبر سنہ ۱۹۳۸ء سے اپریل سنہ ۱۹۳۹ء تک جاری رہ سکا۔ اس کے بعد میں نے زبان کا اعلیٰ امتحان اور انٹرنس پاس کر لیا۔ میری پہلی تصنیف "میرے نغمے" نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

میں طبع ہوئی۔ کتاب کا ایک حصہ (انگارے) جس میں سیاسی ترقی پسند اور خالص نظمیں تھیں "ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ" کی وجہ سے مجز بندی کے بعد بھی نکال دینا پڑا، اور صرف "پھول" کا حصہ کتابی صورت میں باہر آیا لیکن بے کار۔ اس میں میری ابتدا کی جذباتی، رومانی اور نیچرل نظموں کے علاوہ کچھ نہیں۔
اور اس کے بعد "ریاست ہفتہ وار" دہلی میں پچاس روپئے ماہوار کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ مگر محترمی مفتون صاحب سے چند منٹ کی ملاقات کے بعد ایک اختلاجی کوفت میں ایسا مبتلا ہونا پڑا کہ اُسی دن اپنے میزبان کرشن چندر ایم اے سے ملے بغیر فوراً علی گڑھ اور پھر فیض آباد واپس آ گیا۔ ۱۱ر دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء کو شادی بھی ہو گئی۔ "رابعہ سلطانہ" گو میرے اس تخیل کو تو نہیں پورا کرتیں جس میں طالب علمی کے زمانے میں مبتلا رہا کرتا تھا لیکن شاید وہ پہلی اور آخری عورت ہیں جن سے میں شاعرانہ محبت سے پرے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو قریب پاتا ہوں۔ رابعہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ میری پیشین گوئی ہے کہ ان کی محبت، ان کے حسن، ان کی سادگی اور معصومیت کے سلسلے میں میری زندگی پریشانی اور افسردگی کے ساتھ بھی بہت خوشگوار رہے گی۔ لیکن آجکل میں جس رومانی دور سے گزر رہا ہوں اس سے میری فکر کو نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ ہے - دیکھئے!
بہت جلد شاید اسی ہفتے میں یونیورسٹی لائبریری - الہ آباد کے شعبۂ مشرق میں مجھے ایک جگہ ملنے والی ہے۔ کاش یہ اُمید جلد تکمیل کو پہنچتی — پھر اس کے بعد شادی اور ملازمت — زندگی اور شاعری !!! ابھی کچھ معلوم نہیں۔
آج ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۴۲ء تک یہ ہیں میری زندگی کے حالات۔ آگے ؟؟؟

سیماب اکبر آبادی

سنہ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ الف۔ اے تک تعلیم پائی۔ داغ کے شاگرد ہیں۔

سید وارث علی شاہ صاحب کے مرید ہیں۔ رسالہ "مرصع" اور آگرہ اخبار کے مدیر رہے ہیں۔ ۱۹۲۹ء سے مستقل طور پر آگرے میں مقیم ہیں۔" "میرے خیال میں تو میری ہر نظم بہترین ہے کوئی مصنف یا شاعر اپنی کسی تصنیف کو بُرا نہیں سمجھتا، اور بُرا سمجھے تو اُسے محفوظ کیوں رکھے"۔ آپ کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں "کارِ امروز" "کلیم عجم" "ساز و آہنگ"

شاد عارفی

"میری بہترین نظم" اس جملے کے بعد آپ تو مطمئن ہو گئے مگر مجھے جس مصیبت بلکہ امتحان میں مبتلا کر دیا۔ اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ میں اپنے ابتدائی نظموں میں سے ایک بہترین نظم "عورت" بھیج رہا ہوں یہ ایک تخیلی ایج ہے۔ لیکن ترتیب کچھ ایسی دل آویز ہے کہ قریب قریب سبھی اسے پسند کرتے ہیں اکھڑپن اور ناجائز خود رائی میرے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جو وراثتاً مجھ تک پہنچی ہے۔ اس جہالت سے مجھے اپنے مستقبل کے لئے کسی اچھی رائے کا حق باقی نہیں رہا۔ میں اسے بھی اچھا نہیں سمجھتا کہ شاعر اجرت پر نظمیں لگاتا پھرے۔ میں نے اسی نظریے کی رد و تنقیح میں اپنی زندگی تباہ کر ڈالی کہ شاعر نکمّا ہوتا ہے۔ دن رات محنت کرتا ہوں اور "ادب برائے زندگی" کا صحیح تصور قائم کرنے کے لئے رات کے خالی حصوں میں شعر و شاعری سے لو لگاتا ہوں میرے والد افغانستان سے رامپور آئے۔ اب میری عمر ۳۲ یا ۳۳ برس کی ہے۔ میری ابتدائی تعلیم مولویانہ ہوئی۔ ۱۲ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اب ایک غزل اور ایک نظم متواتر لکھتا ہوں تاکہ دونوں کی مشق جاری رہے"

شریف کنجاہی

"اپنی نظموں میں سے مجھے "پیاسی" سب سے زیادہ پسند ہے۔ باقی رہا سوانح عمری

کا معاملہ تو اس کے متعلق میں کیا لکھوں ــــ ایک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء میری پیدائش ہے درسی تعلیم ایف۔ اے۔ کاروبار کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی دوکان کے ذریعے بیکاری کے احساس کو جھٹلا رہا ہوں مطالعے سے کافی لگاؤ ہے۔ اور زیادہ تر علم الحیات اور نفسیات کا مطالعہ کرتا ہوں۔ خیالات کے لحاظ سے کسی گروہ میں نہیں ہوں زندگی کو ایک نامعلوم واقعہ سمجھتا ہوں اور بس میرا ایک ترجمہ "آزاد سماج" کے نام سے "پریت نگر" سے شائع ہو چکا ہے ایک اور ترجمہ برٹرینڈ رسل کی کتاب "روڈز ٹو فریڈم" کا مکتبہ اردو والے شائع کر رہے ہیں۔ آج کل ایک اور تخیلی کتاب "زندگی کی رو" لکھ رہا ہوں پنجابی میں بھی نظمیں لکھتا ہوں"

طالب باغپتی

"کنور لطافت علی خاں نام باغپت ضلع میرٹھ وطن۔ تاریخ پیدائش ۲ نومبر ۱۹۰۳ء۔ والد مرحوم کا نام کنور اعزاز علی خاں تھا۔ جو باغپت کے مشہور و معروف راجپوت خاندان میں اپنی علمیت و قابلیت غربا نوازی و صوفی منشی کے لحاظ سے بے حد ہر دلعزیز تھے۔ میری ابتدائی اردو، فارسی تعلیم اُن ہی کے زیر سایہ ہوئی۔ اس کے بعد میرٹھ کالج میں ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ شعر و شاعری سے دلچسپی اور لگاؤ بچپن سے تھا اور چونکہ والد مرحوم بھی اردو فارسی، شعر و ادب کا ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ اس لئے فطری ذوق کو ان کی ہمت افزائی کا سہارا مل گیا۔ مگر ۱۹۱۵ء سے قبل تعلیمی مصروفیات نے اس شوق کو ابھرنے کا موقع نہ دیا۔ ۱۹۲۶ء میں جب بہ سلسلۂ ملازمت تعلیم ترک کی تو مضمون نگاری اور شعر و شاعری میرے محبوب ترین مشاغل میں داخل ہو گئیں۔ اس سے قبل جتنا وقت مطالعے میں صرف ہوتا تھا اب

اُن مشاغل میں صرف ہونے لگا۔ اور ملک کے مشہور جرائد و رسائل میں میرے مضامین نظم و نثر شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں "شاخِ نبات" کے نام سے میرا پہلا مجموعۂ کلام شائع ہوا۔ جس میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۵ء تک کی کل نظمیں غزلیں رباعیات اور قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ افسانوں اور ترجموں کا مجموعہ علیحدہ جلدوں میں زیرِ اشاعت ہے۔ فکاہی مضامین کا بھی ایک مجموعہ زیرِ تدوین ہے "جو کوئی" کے فرضی نام سے خاص طور پر رسالہ "عالمگیر" لاہور کے لئے وقتاً فوقتاً لکھے گئے ....
اپنی نظم کا خود انتخاب کرنا میرے نزدیک ذرا دشوار کام ہے۔ بہت ممکن ہے اور حضرات اس دشواری کو محسوس نہ کریں۔"

عابد لاہوری

"نام سید عابد علی اور تخلص عابد علی (لاہوری) ہے۔ ستمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام لاہور پیدا ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۲۳ء میں بی۔ اے ۱۹۲۵ء میں ایل ایل بی اور [illegible]ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں صدر شعبۂ ادبیات ایران دیال سنگھ کالج لاہور لیکچرر فارسی پنجاب یونیورسٹی کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ "حجابِ زندگی اور دوسرے افسانے"، "قسمت اور دوسرے افسانے"، "ظلمات" (مختصر افسانوں کا مجموعہ) اور "رُما" (ایک بنگالی ناول کا ترجمہ) میری چند تصانیف ہیں۔ مغل مصوری کی تاریخ کے مطالعے اور شطرنج کا شوق ہے۔"

عرش ملسیانی

بال مکند نام "عرش" تخلص۔ تاریخ ولادت ۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء قصبہ ملسیان ضلع جالندھر پنجاب۔ خلف پنڈت لبھو رام صاحب جوش ملسیانی شاگرد رشید فصیح الملک داغ مرحوم۔ شعر گوئی میں کسی سے تلمذ نہیں۔ طبیعت ہی رہبرِ سخن ہے لیکن اس کے باوجود والد صاحب ہی کا فیضان اس فطری جوہر کے بیدار کرنے کا موجب

ہے۔ غزل اور نظم میں طبیعت یکساں چلتی ہے۔ غزل کی طرف میلان زیادہ ہے۔ مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ مجموعے میں نظموں اور غزلوں کی تعداد تقریباً مساوی ہے۔ پنجاب سول انجینئرنگ کالج رسول سے اوورسیر کا امتحان ۱۹۲۸ء میں کامیابی سے پاس کیا محکمہ نہر میں ملازمت اختیار کر لی۔ لیکن ادبی ذوق کی وجہ سے یہ ملازمت راس نہ آئی۔ اور ترک کر دی۔ ۱۹۳۰ء میں گورنمنٹ انڈسٹریل سکول لدھیانہ میں بہ حیثیت معلم ملازمت اختیار کر لی اور ابھی تک وہیں مقیم ہوں۔ یہیں سے ایف۔ اے اور بی۔ اے کے امتحان پاس کئے۔ جدید رنگِ سخن کی طرف طبیعت کا میلان ہے۔ لیکن زبان اور فن کی قیود کی پابندی ضروری سمجھتا ہوں۔ متروکات کا سختی سے پابند ہوں۔ سادہ زبان میں صاف شعر کہنا پسند ہے۔ دقت پسندی اور فارسیت سے گریز کرتا ہوں۔ عادات سادہ، لباس سادہ، وضع مشرقی، آزاد خیال، اور صلح کل مشرب ...... نظم کا انتخاب میرے لئے مشکل تھا۔ جو سامنے آئی بھیج دی۔"

علی سردار جعفری

"پیدائش ۱۹۱۲ء۔ والدین کا ارادہ مولوی بنانے کا تھا چنانچہ سلطان المدارس لکھنؤ میں داخل ہو گیا۔ ۱۹۲۵ء میں سلطان المدارس چھوڑ کر بلرام پور ہائی اسکول میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ۱۹۳۰ء میں جہاز رانی (بمبئی) میں لے لیا گیا۔ لیکن والدین نے واپس بلا لیا۔ انٹرمیڈیٹ علی گڑھ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں جب بی۔ اے کا طالب علم تھا اسٹرائک میں حصہ لینے کے جرم میں وہاں سے نکال دیا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں عربک کالج دہلی سے بی۔ اے کیا۔ علی گڑھ تک گاندھی جی کی آپ بیتی کا اثر دماغ پر بہت تھا۔ لیکن مارکس اور اینگلز کی تعلیمات نے [illegible] زائل کر دیا۔ ۱۹۳۵ء میں لندن میں انجمن

ترقی پسند مصنفین کی بنیاد پڑی۔ علی گڈھ میں اس کا پہلا جلسہ ۱۹۳۶ء میں خواجہ منظور حسین صاحب کے مکان پر ہوا۔ وہاں "جدید ادب اور نوجوانوں کے رجحانات" کے نام سے ایک مقالہ پڑھا جو انجمن کے اعلان نامے سے متاثر تھا اس وقت سے میری جدید ادبی کاوشوں کی ابتدا ہوئی۔ اس سے پہلے ہوائی چیزیں لکھا کرتا تھا ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد پڑی۔ چنانچہ ابتدا ہی سے اس میں شریک ہوں۔ ۱۹۳۸ء میں کہانیوں کا ایک مجموعہ "منزل" کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۹۳۹ء سے "نیا ادب" نکلنا شروع ہوا۔ ابتدا میں ہم صرف تین آدمی تھے سبط حسن، مجاز اور میں ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں ایم۔ اے میں داخلہ لیا اور ابھی تک طالب علم ہوں۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں طالب علموں کی سیاست میں حصہ لینے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور لکھنؤ اور بنارس جیل میں رہا۔ رہا ہونے کے بعد گھر پر نظر بند کر دیا گیا لیکن اب پھر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت مل گئی ہے"

علی منظور حیدر آبادی

تاریخ پیدائش ۱۹ ستمبر ۱۸۹۶ء۔ کچھ انگریزی۔ انگریزی سے کچھ زیادہ عربی، عربی سے بہت زیادہ فارسی جانتا ہے۔ منشی فاضل ہوں۔ نظموں کے دو مجموعے "کلام منظور" اور "نور زندگی" منظر عام پر آ چکے ہیں۔ سررشتہ صحت عامہ سرکار عالی میں اہلکار ہوں۔

فراق گورکھپوری

میری پیدائش شہر گورکھپور میں ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔ ضلع گورکھپور میں میرا خاندان چار سو برس سے آباد ہے۔ میرے بزرگوں کو شیر شاہ سوری نے پانچ گاؤں اسی ضلع میں دئے تھے۔ اور ہم لوگ پنچ گانواں کے کایستھ کہلاتے ہیں۔ میرے والد مرحوم منشی گورکھ پرشاد عبرت گورکھپور میں چوٹی کے وکیل اور اکتیس برس تک گورکھپور بار کے لیڈر رہے تھے۔ میری تعلیم گھر پر دو چار ابتدائی کتابیں ختم کرنے کے بعد انگریزی اسکول میں ہوئی کالج کی تعلیم الہ آباد میں ہوئی۔ شاعری کا چرچا گھر میں تھا اور میری طبیعت میں موزونیت تھی۔ اس لئے شعر کہنے کا شوق تو بچپن ہی سے تھا لیکن انیس ۱۹ بیس برس کی عمر تک مجھ سے شعر نہیں ہوتے تھے۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ اردو غزل کے کئی سو اشعار مجھے بچپن ہی سے یاد تھے۔ لیکن عام طور پر اردو

شاعری میں مجھے ایسے لوگوں کا مزاج ملتا تھا جن کا دل گرا ہے اور جن کے لہجے میں تفکر کم ہے، اور جہاں ہے وہاں حلاوت سے خالی ہے۔ اس شاعری میں مجھے دنیا کی پاکیزگی کا احساس بھی کم ملتا تھا۔ یہاں شکوہ اور شکایت کا دفتر باز تھا۔ زیادہ تر ناکام تعیش اور لذتیت کے عناصر اس شاعری پر غالب تھے۔ مادے کی روحانیت اور طہارت کا احساس مفقود تھا۔ اس شاعری میں غم کے احساس ذاتی ناکامی کے اظہار تھے اور نشاطیہ اشعار ذاتی یا نفسیاتی خواہشوں کے پورا ہونے کے اظہار تھے۔ اس شاعری میں خیر و برکت کے عناصر مفقود تھے اس میں امرت کی برکھا نہیں ہوتی تھی۔ تو جیسے شعر میں کہنا چاہتا تھا اس کے نمونے ہی مجھے نہیں ملتے تھے۔ وہ دھونی یعنی گونج، وہ آواز نہیں ملتی تھی جو بیک وقت زمین اور آسمان کی آواز ہے، جو یہ بتلائے کہ دنیا اور دنیا کی زندگی سے پاکیزہ نہ کوئی خدا ہے نہ کوئی عقبیٰ۔ میں ایسی شاعری چاہتا تھا جو روحانیت سے لبریز "کفر" (PAGANISM) کے نغمے سنا سکے۔

تو ہی اے دل اب زمانے کو پیام کفر دے۔ تو نے دیکھا بھی ہے۔ ان آنکھوں کا سحر سامری میں جب بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ چھوڑ کر کانگریس کی تحریک کے سلسلے میں ڈیڑھ برس تک قید فرنگ میں رہا تو کچھ غزلیں کہنے کا موقع ملا۔ جن خوبیوں سے میں نے اردو شاعری کو عام طور پر محروم پایا تھا، ان کے علاوہ جو خوبیاں اردو شاعری میں موجود تھیں لیکن جن سے فائدہ اٹھانے کے لئے تلاش اور نازک احساسات کی ضرورت تھی۔ انھیں بھی مشق اور غور و فکر اور اپنے سماعی تخیلی (AUDITORY IMAGINATION) کی مدد سے حاصل کرتا رہا، لیکن شاعری ایسی کرنا چاہتا تھا، اپنے اشعار میں ایسی روح، ایسی فضا، ان کی فضا میں ایسی تھرتھراہٹ

چاہتا تھا کہ وہ تمام خوبیاں جلوہ گر اور اجاگر ہو جائیں جو اُس قوم کی تہذیب میں ملتی ہیں۔ جس قوم نے رامائن اور مہابھارت، سیتا، شکنتلا، کرشن، بدھ اور ہندوستان کے قدیم آرٹ اور کلچر کو پیدا کیا۔ اگر اِن صفات کی کچھ جھلک میرے دس فی صدی اشعار میں ملتی ہے تو میں اپنی کاوشوں اور کوششوں میں شاید ناکامیاب نہیں رہا۔ بہرحال ۲۵ برس اب میری شاعری کی عمر ہوئی۔ اس عرصہ میں ایم۔ اے کا امتحان بھی پاس کر لیا اور لکھنؤ کرسچین کالج، کانپور سناتن دھرم کالج کی ملازمتوں کے بعد اب اپنی گذشتہ درسگاہ یعنی الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کا لکچرار ہوں، زیادہ تر میں غزلیں کہتا رہا ہوں۔ نظمیں بھی میں نے کہی ہیں۔ لیکن میری غزلیں لوگوں کو زیادہ متوجہ کر سکی ہیں۔ میں اُس صنف سخن کی عظمت اور اُس کے بلند امکانات کا قائل ہوں جسے نظم کہتے ہیں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ غزل میں حقیقی احساسات مشاہدے اور زندگی کے تجربے ظاہر نہیں کئے گئے یا نہیں کئے جا سکتے ہاں اس اظہار حقیقت میں بہت داخلیت اور سمیٹ کی، بہت جامعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ غزل کے لئے تخیل کے ایک خاص کلچر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح نظم کے لئے تخیل کے ایک خاص کلچر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مجموعے میں جو میری نظم شامل ہے وہ بالکل ایک غزل سی ہے۔ صرف ہر شعر میں موضوع بجائے رومانیت اور انفرادی محبت کے دور حاضر کی دنیا اور اس کی اجتماعی زندگی ہے لیکن داخلیت اشارات، و کنایات اسلوب و لہجہ کے لحاظ سے ان اشعار میں آپ کو نظم اور غزل کا اتحاد ملے گا۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہر بلند مرتبہ نظم غزل سے مشابہت رکھتی ہے خود میری اور نظموں میں یہ بات نہیں ہے وہ غزلوں سے سب مختلف ہیں۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ دو حصوں میں شائع ہونے والا ہے۔

فیض احمد فیض

"پیدائش سنہ ۱۹۱۰ء سیالکوٹ۔ تعلیم گورنمنٹ کالج لاہور، ایم۔ اے (انگریزی) سنہ ۱۹۳۳ء، ایم۔ اے (عربی) سنہ ۳۴ء کالج کے زمانے سے تنقید اور شاعری کا شوق ہے، لیکن لکھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس لئے بہت کم لکھتا ہوں۔ بہت سی پریشان نظمیں اور مضامین لکھے ہیں لیکن کسی مستقل تصنیف کی ہمت یا جرأت نہیں ہوئی سنہ ۳۴ء سے لے کر جنوری سنہ ۴۱ء تک ایم۔ اے او کالج امرتسر میں انگریزی کا مدرس تھا۔ اب قریباً ڈیڑھ ماہ سے لاہور میں ہوں"۔ جن حالات کا اثر شاعری پر پڑا وہ یہ ہیں:- "افراد:- م۔ پ، جن سے کالج کے زمانے میں محبت تھی۔ پروفیسر اے۔ ایس بخاری، کنٹرولر براڈکاسٹنگ، اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر۔ پرنسپل ایم۔ اے او کالج جن دو حضرات سے میں نے ادب کے جملہ فنون کی تعلیم پائی۔ صاحبزادہ محمود الظفر اور رشید جہاں، جن کے ذریعے مارکس کی تعلیمات سے آشنائی پیدا ہوئی۔ مصنفین:- براؤننگ، غالب، اقبال، کارل مارکس، اور رچرڈز۔ بظاہر ان میں کوئی علاقہ نظر نہیں آتا لیکن یہ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کا تأثر ایک جداگانہ اور مستقل حیثیت رکھتا ہے ...... میں اپنی کسی نظم کو بہترین نہیں سمجھتا ایک نظم ارسال ہے۔ پسند ہو تو رکھ لیجئے۔ ورنہ اور سہی" آپ کی نظموں کا مجموعہ "نقش فریادی" شائع ہو چکا ہے۔

قیوم نظر

میرے دوست مسٹر اختر حسین کے قول کے مطابق لاہور کے ایک آوارہ مزاج نوجوان کو ادب اور رسائل کی دنیا میں بسنے والے قیوم نظر کہتے ہیں حالانکہ اُس کے ملنے والوں کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس بظاہر خوش باش انسان کو شدت سے کوئی رغبت بھی ہے [illegible]

میں پیدا ہوا اور اپنی تعلیم کے مراحل پنجاب کے مختلف شہروں میں طے کرتا رہا۔ البتہ طالب علمی کے آخری چند سال دیال سنگھ کالج اور مشن کالج لاہور میں بسر کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں یہاں بی۔ اے اور ایم۔ اے میں پڑھتا رہا ہوں۔ کالج میں مجھے ادبیات سے دلچسپی ضرور تھی لیکن ذرا دور سے۔ اپنے کالج کے میگزین کا ایڈیٹر بن جانے کی وجہ سے اس دوری نے قرابت کا درجہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ علامہ تاجور نجیب آبادی مجھے عبدالقیوم بٹ سے قیوم نظر بنانے کے ذمہ دار ہیں اور پس میری بیشتر شاعری سید عابد علی عابد کے مشوروں کی مرہون منت رہی ہے اور میں اکثر انہی سے استفادہ کرتا رہا ہوں۔ یہ دونوں بزرگ دیال سنگھ کالج میں میرے استاد تھے۔ سیر و شکار کا شوق ہے۔ بہت کم پڑھتا اور اس سے بھی کم لکھتا ہوں لیکن سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے اس درجہ پابند ہو گیا ہوں کہ ہر ریٹائر ہونے والے صاحب کی الوداعی پارٹی میں کچھ کہے بغیر بن نہیں پڑتا۔ خاندان کو حسب دستور مجھ سے بہت سی توقعات تھیں لیکن جو کچھ میں اب ہوں وہ بھی غنیمت ہونے سے کم نہیں۔ ہر مارچ کی ساتویں تاریخ کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ۱۹۱۴ء سے جاری ہے ..... میں "خلش" آخر کو زیادہ پسند کرتا ہوں شاید اس لئے کہ یہ میرے اس دور سے تعلق رکھتی ہے جس سے میں گذشتہ چند مہینوں سے گذر رہا ہوں"

گوپال متل

"ایک نظم ارسال کر رہا ہوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو اسے میری بہترین نظم قرار دے سکتے ہیں۔ میرے لئے اپنی کسی نظم کو بہترین قرار دینا آسان نہیں۔ میری پیدائش ۷؍جون ۱۹۱۲ء ہے۔ تاریخ وفات ابھی پردۂ غیب میں ہے"

مجاز

جناب مجاز کے حالات علی سردار جعفری صاحب نے بھیجے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"پیدائش ۱۹۱۳ء۔ تعلیم لکھنؤ، آگرہ اور علی گڑھ میں حاصل کی۔ شاعری کم عمری ہی سے شروع کر دی تھی اور علی گڑھ کے زمانے میں اچھے شاعروں میں شمار ہونے لگے تھے، ابتدائی چند غزلوں پر فانی بدایونی سے اصلاح لی تھی۔ اس کے بعد ذوق نے خود ہی رہبری کی۔ علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں "آواز" کے ایڈیٹر ہو گئے اور دو سال بعد وہاں سے چلے آئے۔ ۱۹۳۹ء سے "نیا ادب" کی ادارت میں شریک ہیں اور انجمن ترقی پسند مصنفین کے سرگرم کارکن ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں نظموں کا ایک مجموعہ "آہنگ" کے نام سے شائع ہوا۔ مجاز کی شاعری ابتدا میں رومانی تھی جب وہ انقلاب کی طرف آئے تو اس کا تصور بھی رومانی تھا۔ لیکن جو نیا موڑ مجاز کی شاعری نے انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کے بعد لیا۔ وہ بے حد امید افزا ہے اور ہم صحیح معنوں میں مجاز کو نوجوان شاعروں کا انقلابی نمائندہ سمجھتے ہیں" مجاز کا نام اسرار الحق ہے۔

محمد دین تاثیر

"آج کل مندرجہ ذیل نظم بہت پسند ہے۔ شاید کل یہ سہرا تک کوئی اور اشارہ غیبی ہو جائے"۔ ۱۹۰۶ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے لیکچرر رہے۔ ۱۹۳۶ء میں کیمبرج سے انگریزی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی۔ اب اسلامیہ کالج امرتسر کے پرنسپل ہیں۔

مختار صدیقی

"بہترین نظم کی شرط بڑی کڑی ہے۔ فن کار کو اپنی ہر کاوش کسی نہ کسی پہلو سے اگلے کارناموں پر فائق دکھائی دیتی ہے۔ شہکار کا انتخاب بڑا متنازعہ فیہ مسئلہ رہا ہے... ...شہکار ہونے کی بیخ چھوڑ کر کوئی نمائندہ چیز بھی چھانٹنی بڑی مشکل ہوا کرتی ہے..." پورا نام مختار الحق صدیقی۔ پیدائش یکم مارچ ۱۹۱۹ء۔ آبائی وطن ضلع سیالکوٹ ہے۔

مگر قبلہ گاہی کے اسی اُجڑے دیار (گوجرانوالہ) کو وطن بنانے پر مستقل سکونت نہیں ہوگئی۔ کالج کی تعلیم بی۔ اے تک رہی۔ اس کے بعد حالات کی نامساعدت کی بنا پر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چند سال خود اختیارانہ بیکاری جنون کو سر پیٹنے کا شغل رہا۔ آخر کار کلرکی ـــ انا للہ۔ شاعری کالج کے زمانے سے شروع ہوئی۔ سیماب اکبر آبادی سے تلمذ ہے۔ تقریباً ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ مگر موضوع کے لحاظ سے صرف lyrical (غنائی) چیزیں ہی لکھی ہیں۔ مزدور سرمایہ دار کو باوجود معاشیات میں امتیازی کامیابی (بصورت ڈگری) کے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ ...... ایک نادیدہ نظم ارسال ہے مگر یہ میری شاہکار یا بہترین نظم نہیں ہے۔"

مخدوم محی الدین

"بہترین نظم کے انتخاب کی ذمہ داری خود بے چارے شاعر پر ڈالنا قیامت ہے۔ زندگی کے حالات کس کے کیا لکھیے گا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در لیلائے عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

میراجی

"میں نسلاً کشمیری (آرین) ہوں، جنم بھوم کے لحاظ سے پنجابی، زبان کے لحاظ سے اردو بولنے والا۔ اور تخیل و تفکر کے لحاظ سے مشرق اور مغرب کے گھلے ملے خطوط کا پابند۔ لیکن محمد حسن عسکری نے فرمائش کی ہے کہ اس اظہارِ نفسی میں مجھے اپنی ادبی تخلیقات کے ترکیبی تاثرات کا لحاظ رکھنا ہوگا، اس لیے میرے خیال میں حالات کے اس سرسری جائزے کو شیکسپیئر کے چار مصرعوں سے شروع کیا جا سکتا ہے۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ ـــ میں نے دو بار محبت کی ہے۔ راحت افزا محبت بھی اور یاس انگیز بھی۔ میری زندگی کا بہتر پہلو ایک جوان رعنا ہے اور بدتر پہلو ایک عورت ہے جو مجھے

بدی کی ترغیب دیتی رہی ـــ لیکن ان اشعار میں بدی والے ٹکڑے سے میری زندگی کو کوئی تطابق نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ مجھے کسی نے کوئی ترغیب نہیں دی، (جو کچھ میری زندگی میں ہوا میرے جبلی تجسس اور طبعی رجحانات سے ہوا یا پھر محض حسنِ اتفاق اور سہل انگاری سے) اور اس لئے بھی کہ بدی بنفسہٖ میری نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن یہ اندازِ نظر ذہنی شعور کے بعد کی بات ہے اور اس شعور کی نشوونما کا معاملہ طفلی سے تعلق رکھتا ہے، جب فاعلی حیثیت سے ذہن گھریلو روایات کے ماتحت حرکت کرتا ہے۔

بعض پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ میری نظموں کا نمایاں پہلو اُن کی جنسی حیثیت ہے اور اس لئے بیشتر مجھے اسی نقطۂ نظر سے گزرے ہوئے واقعات کو دیکھنا ہوگا۔

میرے زمانۂ طفلی میں ابا جان بندھیاچل سے آگے گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقے میں ملازم تھے۔ یہ وہی علاقہ ہے جس میں کچھ عرصے کے لئے رہ کر میرا بائی بھی اپنے گیتوں کا جادو جگا آئی تھیں۔ لیکن بچپن میں زمین کے اس حصے میں مجھے ان گیتوں سے سامنا نہیں ہوا۔ ہمارے والد وہاں ایک چھوٹی لائن پر اسسٹنٹ انجینئر تھے۔ مشہور تاریخی مقام چمپانیر کے قریب (ہالول میں) ہم رہا کرتے تھے۔ جہاں سے چار پانچ میل ہی دور پاواگڑھ کا پہاڑ تھا۔ جس کی چوٹی پر کالی کا ایک مندر تھا۔ ہمارے بنگلے کے صحن سے یہ پہاڑ دکھائی دیتا تھا۔ میرا ایک مصرعہ ہے۔ "پربت کو اک نیلا بھید بنایا کس نے؟ دوری نے" ـــ لیکن یہ پہاڑ کا منظر نزدیک ہوئے بھی میرے لئے ایک نیلا بھید تھا، ایک ایسا راز جس کی دلکشی ذہن پر ایک گہرا نقش چھوڑتی ہو۔ اُن علاقوں میں ساون کا موسم چار ماہ تک رہتا ہے، اور یوں سال کے کافی عرصے تک برسات کے دھندلکے میں پربت

کا منظر ایک خاص موسیقی کرتا معلوم دیتا تھا۔ ریت کی پاٹ تصویریں جگہ جگہ گرتے ہوئے دھارے اگرچہ سفید سی لکیریں ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی نفسیاتی اور جنسی اہمیت اب آکر مجھ پر کھلی ہے۔ برسات کے موسم میں سانپوں کی کثرت بھی اُس مقام کی خصوصیت ہے، ایک بچہ کے لئے سانپ کا خطرناک پہلو اتنا نمایاں نہیں ہوتا جتنا اُس کی وہ دلکشی جو آدم اور حوا کی حکایت کے مطابق آغازِ عالم سے اب تک انسان کے ذہن میں ایک تخیئلی ورثے کے طور پر موجود ہے۔ یہ تو تھیں باتیں ریت کے ڈھندلکے، بہتے ہوئے دھارے اور رینگتے ہوئے رنگا رنگ سانپوں کی۔ لیکن اب چلتے ہوئے انسانوں کا ایک واقعہ بھی ان میں شامل کر لیجئے۔

جب ریلوے کا انگریز انجینیر دورے پہ آیا کرتا تو اکثر اُس کی تفریح کے لیئے شکار کا انتظام بھی کیا جاتا۔ بڑے جو کچھ کرتے ہیں چھوٹے بندر کی ارتقائی نسل ہونے کے لحاظ سے اُس کی نقل کیا کرتے ہیں چنانچہ بچپن کے کھیلوں میں ہمارا ایک کھیل شکار بھی ہوا کرتا تھا۔ ریلوے کا ڈاک بنگلہ ہمارے بنگلے سے کچھ دور واقع تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ انگریز انجینیر دورے کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ اُس کی بیٹی اور بیٹے کے ساتھ میری بہن اور میں اور ہمارے خاندانی ملازموں کے دو بیٹے اُس بنگلے کے وسیع باغ میں یونہی کھیلنے کے لئے گئے۔ ہمارے اور ساتھی ڈاک بنگلے کے چوکیدار کا بیٹا اور بیٹی جمنا بھی تھے۔ اُن علاقوں میں بھیل قوم کی آبادی ہے، یہ زراعت پیشہ قوم چوری ڈاکے کے علاوہ ہانکے کے شکار کے لئے بھی مشہور ہے۔ اس شکار میں "مچان" پہ بیٹھا جاتا ہے۔ اور دو چار میل دور سے بھیلوں کا ایک دائرہ مختلف آوازوں سے حیوانات کو ڈراتے ہوئے گھیر کر لاتا ہے۔ چنانچہ ڈاک بنگلے میں ہم بھی ہانکے کا شکار کھیلتے تھے۔ کنیر کے ایک پیڑ کو مچان تصور کیا گیا تھا۔ انجینیر کا بیٹا اور میں بھیل بن کر کچھ دور نکل گئے تھے۔ اتنے میں ہمارے خاندانی ملازم کے بیٹے نے آکر

اطلاع دی کہ جمنا بہت بری لڑکی ہے وہ پیڑ پہ بیٹھے ہوئے رفع حاجت کر رہی ہے۔ میں نے بھی اپنے گھر کے روایات کے مطابق تربیت یافتہ ہوتے ہوئے اس بات کو بُرا مانا۔ لیکن اس واقعہ کی جنسی نوعیت کا ایک نقش طفلی ہی میں ذہن پہ قائم ہو گیا۔ بول و براز اور اُس کے متعلقہ عمل کی نفسیاتی وضاحت کا علم تو اب آکر ہوا ہے مگر اُس زمانے میں نہ صرف ان باتوں میں ایک غیر شعوری نوعی دلکشی تھی بلکہ فطرت سے ہم آہنگی کا احساس بھی تھا۔ ریت پہ دور سے نظر آتا گھرا ایک لٹکا ہوا دامن تھا جس نے نسائی پیکر سے متعلق ہو کر آئندہ زندگی میں دبی ہوئی خواہشات کے اثر سے ایک ایسی حیثیت اختیار کر لی جس سے رہائی حاصل کرنے کو شعر کا سہارا لینا پڑا۔ یوں لباس میں دلچسپی استدا رہی سے طبعیت کا خاصّہ رہی۔

گجرات کاٹھیاواڑ میں جو لہنگے پہنے جاتے ہیں۔ اُن کی کیفیت راجپوتانے یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے لہنگوں سے مختلف ہے۔ اُس لہنگے کی ساخت سیدھی ہے، کمر سے ٹخنوں تک ایک جھول سا ہلکی ہلکی لہروں کا ایک نازک جھرمٹ جیسے دیکھ کر میری نگاہوں میں پہننے والی تو ایک چھلکتی ہوئی مٹی بن جاتی ہے اور لباس جھیل یا دریا کی سطح جس پہ ہلکی ہلکی لہریں کبھی جھوم اُٹھتی ہوں کبھی ٹھہر جاتی ہوں۔ اس کے خلاف راجپوتانے کا لہنگا ایک سمندر کی سی کیفیت رکھتا ہے، ایک طوفانی شے ہے جس میں جنگل کا گھنا گرم جادو موجود معلوم ہوتا ہے، ——
دوسرا پسندیدہ لباس ساری ہے۔ لیکن اس میں حرکت نظر نہیں آتی، اس میں ایک ٹھہراؤ ہی ٹھہراؤ ہے، ایک ایسا ٹھہراؤ جو کسی بگولے کی حیثیت میں محسوس ہو سکتا ہے یعنی حرکت کے باوجود بگولے کی شکل میں جو کسی ستون کا سا تعین موجود ہے۔ وہی تعین ساری میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ساری پہنے ہوئے

کوئی نسائی پیکر میرے ذہن میں لٹکے ہوئے پردے یا چھپائے ہوئے دُھندلکے کا تصوّر لاتا ہے، . . . . . .

اوپر لباس کے متعلق جو دو ایک باتیں لکھیں۔ ان کے مظاہر سے مجھے اپنی نظموں میں بہت سی جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں، مثلاً "دامن کھائے جھکولے" "پیراہن کی سرسراہٹ آرزو انگیز ہے"۔ اور ——

"اُس کو اُٹھنا ہے، اُسے گرنا ہے۔

"کوئی ملبوس ہو کوئی پردہ،

"اور انسان بھی ملبوس ہے، پردہ ہی تو ہے"

اور ——

"جب پھیلتے ہوئے ملبوس لرزتے ہوئے جا پہنچے تھے۔

"فرش پر، ایک مسہری کے کٹہرے پہ ہوا آویزاں"

اور ——

"چند کاغذ کے یہ ٹکڑے ہیں جنھیں جوڑ کے رکھا میں نے

"کوئی آنچل ہے، کوئی دامن ہے"

اور ——

دامن اک پردہ ہے جس کے اُس پار

"کس کو معلوم ہے کیا بات ہے، کیا منظر ہے"

اور ——

"دور اک ٹیلہ تھا، اُس ٹیلے پہ تھے دو پیکر

"ایک کی ساری کا زرکار کنارہ دل میں

"سطحِ دریا پہ ستاروں کا سماں لاتا تھا"

اور ——

"کومل آنچل اُڑتا بادل"

اور اسی قسم کی اور بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

نسائی لباس کا یہ بیان زندگی کے ایک اور پہلو پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی عورت سے دوری —— آسودہ عشقی احساس کی قبل از وقت بیداری سکول کے زمانے ہی میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تحت الشعور میں ایک اور جھلملاتا ہوا واقعہ جمود اختیار کر چکا تھا۔ ایک دفعہ جب ریلوے کی ملازمت کے سلسلے میں ملتان کے قریب ہمارا قیام تھا، ساتھ کے مکان سے اسٹیشن ماسٹر کی بیٹی کوئی سوغات کی چیز ہمارے یہاں لائی۔ دائیں ہاتھ پر اُس نے تھال کو تھام رکھا تھا اور بائیں ہاتھ سے چق کو ہٹاتی ہوئی دروازے میں داخل ہوئی۔ میں دروازے کے ساتھ ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ اُس نے دہلیز سے داخل ہو کر دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں، صرف میں ہوں، مجھ سے پوچھا اور میں نے اندر کی طرف اشارہ کیا کہ گھر کے لوگ ادھر ہیں۔ اور وہ چلی گئی۔ لیکن ایک لمحہ ٹھٹھک کر ٹھہرے رہنے کے دوران میں میری نظر نیم جنسی احساسات کے ساتھ اُس پر جمی رہی۔ اُس نے ایک سفید دھوتی پہن رکھی تھی اور دس گیارہ سال کی عمر، نیز شاید گھر کی بات ہونے کے لحاظ سے کوئی زیر جامہ نہ تھا، چنانچہ سورج کی کرنیں لباس کے پردے میں سے چھنتے ہوئے زیریں جسم کے خطوط کا اظہار کر رہی تھیں۔ یہ چوری کا منظر بھی تحت الشعور کی پاتال سے گھُل گھُلا کر مختلف بھیس بھرتا ہوا کئی جگہ اپنی نظموں میں مجھے دکھائی دیا ہے۔ چنانچہ روزن، کھڑکی اور دروازے کی میں یہی وجہ سمجھتا ہوں۔ والد کی ملازمت کے سلسلے میں چند ماہ بلوچستان کے کہستانی ماحول میں بھی گذرے ہیں، لیکن یہاں کے مناظر میں وہ گہری اور گھنیری کیفیت نہیں محسوس ہوئی

جو ہندوستان کے ایسے گرم مرطوب خطۂ زمین میں ہو سکتی ہے۔ زندگی کی بدلتی کیفیتیں مجھ کو سندھ کے مختلف مقامات میں بھی لے گئی ہیں لیکن یہاں صرف دو جگہیں قابل ذکر معلوم ہوتی ہیں، ایک سکھر میں دریائے سندھ کا منظر جس کے کنارے پر کچھ عرصہ بیٹھے رہنے کے بعد بعض دفعہ دریا کی ہستی ایک لیٹے ہوئے عفریت کی مانند محسوس ہوتی تھی، ایک ایسا عفریت جس میں ہیبت بھی ہو اور دلکشی بھی۔ دوسرا ماحول کراچی سے سینتیس میل دور دابے جی کا مقام جو ایک پھیلا ہوا، اونچا نیچا سبزے سے معرا میدان، کہیں کہیں خشک جھاڑیاں یا خشک پست قد پیڑ۔ ایک طرف سامنے چار پانچ میل کے فاصلے پر سمندر کے ساحل کی دھندلی لکیر، اور یہیں ساحل پر شمالی ہند کے مشہور عاشق پنوں کی محبوبہ سسی کا باغ۔ معلوم نہیں یہ باغ محض روایت ہے یا حقیقت۔ اور اس ماحول میں ہمیشہ سمندر کی طرف سے آتی ہوئی تند ہوائیں۔ یہاں سے میرے ذہن پر صرف اداسی بیزاری اور ویرانی ہی کے نقش ہوئے۔ کیونکہ اولاً یہاں رہنا میری مرضی کے خلاف تھا، دوسرے شہری زندگی کی یہاں کوئی بات نہ تھی اور بنگلے کے پاس سے گذرتی ہوئی مسافر گاڑی کی کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے چہرے ہی ایک تسکین کا سامان تھے۔

اس کے بعد لاہور کی باتیں ہیں۔ لاہور میں مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ — تینوں لحاظ سے زندگی میں وسعت پیدا ہوئی، مشاہدے اور تجربے پہلے شروع ہوئے اور مطالعہ بعد میں، یہیں مخلوط تعلیم کی کمی نے میرے ذہن کو اس رستے کی طرف مائل کیا جس کا ذکر اس سوانحی جائزے کے شروع میں ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ سفر محض ایک روحانی تجربہ بن کر ہی رہ گیا۔ البتہ اس نے اس گہرے تجربے کے لئے زمین تیار کر دی جس نے زندگی میں نہ صرف ایک مقصد پیدا کر دیا بلکہ انسانی علم کے لحاظ سے بھی میری معلومات میں اضافہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا تجربہ جنسِ

مخالف سے تعلق رکھتا ہے۔ مغرب میں شاید شیکسپیر کی بات سچ ہو کہ "عورت تیرا نام کمزوری ہے" لیکن مشرق کے خصوصاً ہندوستانی نوجوانوں کی موجودہ حالات دیکھتے ہوئے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ "عورت تیرا نام صدمہ ہے" —— یہی حال مادی لحاظ سے اس تجربہ کا تھا۔ اس سلسلے میں بچپن ہی سے دور کی چیزوں (پربت، دھندلکا) سے جو رغبت لاشعور میں جاگزیں ہو چکی تھی اس نے اپنا کرشمہ دکھایا اور پھر اپنی حماقتوں اور آدرشی جبلت کی وجہ سے زندگی کا یہ پہلو تشنۂ تکمیل رہا البتہ ذہنی نشوونما پر اس نے جو اثر چھوڑا اس کی بہت سی علامتیں مجھے اپنی نظموں میں دکھائی دیتی ہیں۔ اس پہلو کے متعلق میں تفصیل سے فی الحال گریز چاہتا ہوں اس لئے اور کوئی بات نہیں کہتا۔

مشاہدے کے لحاظ سے اگرچہ بہ حیثیت مجموعی زندگی کے ہر پہلو کی طرف میرے تجسس نے مجھے راغب کیا لیکن موجودہ صدی کی بین الاقوامی کشمکش (سیاسی سماجی اور اقتصادی) نے جو انتشار نوجوانوں میں پیدا کر دیا ہے۔ وہ بالخصوص میرا مرکز نظر رہا اور آگے چل کر جدید نفسیات نے اس تمام پریشان خیالی کو جنسی رنگ دے دیا۔

مطالعے کے لحاظ سے اس زمانے میں نہ صرف مغربی (انگریزی اور فرانسیسی) ادب نے میری رہنمائی کی بلکہ مغربی تفکر اور سائنس نے بھی اپنا اپنا اثر کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مشرقی روایات اور صدیوں کے اثاثے سے بیگانگی رہی، دینی خیالات نے نہ صرف مذہبی لحاظ سے اپنا نقش چھوڑا بلکہ اس کے ادبی روایات بھی کچھ اس انداز سے بروئے کار آئیں کہ دل و دماغ ایک جیتا جاگتا برندابن بن کر رہ گئے۔ سرسری طور پر میں کہہ سکتا ہوں کہ مشرق سے ساداتی میرا بائی چنڈی داس اور امرو نے مجھ پر اثر کیا۔ اور مغرب سے والٹ وٹمن۔ ڈی۔ ایچ لارنس

سٹیفانے سیلارمے اور چارلس باڈیلیئر نے۔ مفکرین میں سے چارلس ڈارون، سگمنڈ فرائیڈ، سرجیمس جینز، آئن سٹائن (جن کے نظریے کو میں نہیں سمجھ سکتا) ہیولاک ایلس اور رابندر ناتھ ٹھاکر قابل ذکر ہیں اور شعراء کی فہرس یہ ہے۔ امیر خسرو، سید انشاء اللہ، میر تقی، غالب، حفیظ جالندھری، عبدالرحمن بجنوری، مولوی عظمت اللہ اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اس سرسری جائزے میں نہیں آسکیں لیکن ان کے لئے کسی اور وقت کو معین سمجھنا چاہیئے۔ آج کل میں ماہنامہ ادبی دنیا میں نائب مدیر کے فرائض انجام دے رہا ہوں (گذشتہ تین سال سے) اور یہ تعلق ذریعہ گذر اوقات کے علاوہ اس لئے بھی پسندیدہ ہے کہ مجھے اردو کی جدید شاعری خصوصاً آزاد نظم سے دلچسپی ہے۔ ذیل کی نظم کو میں اپنی بہترین نظموں میں سے ایک سمجھتا ہوں اور اپنی شاعری کی فنی عینی نوعیت کے باعث اسی کا انتخاب محمد حسن عسکری کے مجموعے کے لئے کرتا ہوں۔"

ن۔ م۔ راشد (نذر محمد راشد)

"مولد، اکال گڑھ، ضلع گوجرانوالہ پنجاب پیدائش یکم اگست سنہ ۱۹۱۰ء۔ خاندان راجپوت جنجوعہ۔ دادا ڈاکٹر تھے۔ شاعر اور عربی، فارسی کے عالم۔ والد گورنمنٹ ہائی اسکول لدھیانہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ تعلیم ابتدائی اور ثانوی سنہ ۱۹۲۶ء گورنمنٹ ہائی اسکول اکال گڑھ۔ ایف۔ اے گورنمنٹ کالج لائل پور سنہ ۱۹۲۸ء۔ ایم۔ اے (اکنامکس) گورنمنٹ کالج لاہور سنہ ۱۹۳۲ء۔

شاعری سات برس کی عمر میں ایک ہجو سے شروع کی۔ پھر کچھ حمدیں اور نعتیں لکھیں۔ غزلیں اور انگریزی نظموں کے ترجمے اردو میں سب سے پہلا سانیٹ SONNET اختر جوناگڑھی نے لکھا تھا۔ دوسرا غالباً میں نے ۔۔۔ جس کا عنوان

تھا "زندگی" اور جو لاہور کے ایک ہفت روزہ اخبار کے پہلے صفحے پر شائع ہوا۔ اور اس کے بعد ہمایوں میں چھپا۔ ابتدائی شاعری میں عہد حاضر کے بعض شعراء مثلاً "روحِ ادب" والے جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، عابد علی عابد اور روش صدیقی کے مخلوط اثرات نظر آتے ہیں۔ قریباً سنہ ۱۹۳۲ء کے بعد سے انفرادی رنگ نظر آتا ہے۔ اردو میں غالباً آزاد نظم سب سے پہلے میں نے لکھی (عہد حاضر میں) انگریزی میں ڈی، ایچ، لارنس D. H. Lazrance اور آسکر وائلڈ Oscar wild کا زیادہ مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کی تحریروں سے کسی قدر دلدادگی بھی ہے۔ نظمیں "نگار"، "ساقی" و "ہمایوں"، "شاہکار"، "خیالستان" اور "ادبی دنیا" بیشتر شائع ہوئی ہیں۔ ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد کچھ عرصے ملتان کے ایک گمنام رسالے نخلستان کی اعزازی ادارت کی۔ پھر لاہور میں "شاہکار" کے عملے پر مولانا تاجور کے ساتھ کام کیا کچھ اصول تنقید پر بھی مضامین لکھے ہیں۔ کچھ عہد حاضر کے ادیبوں پر۔ مثلاً "اختر شیرانی کے ساتھ چند لمحے (مطبوعہ خیالستان) "ظفر علی خان کی شاعری" (مطبوعہ ساقی) "انارکلی" (مطبوعہ ساقی - سید امتیاز علی تاج کے ڈرامے پر تنقید ہے)۔ اردو ادبیات پر غالب کا اثر (مطبوعہ ادبی دنیا) "شاہکار" سے الگ ہو کر ملتان میں کمشنر آفس میں کچھ روز کلرکی بھی کی ہے۔ اس کے بعد سے اب تک آل انڈیا ریڈیو میں ہوں ...... میری نظموں میں غالباً یہی (دریچے کے قریب) سب سے مکمل ہے۔" آپ کی نظموں کا مجموعہ "ماورا" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

یوسف ظفر

نام محمد یوسف تاریخ پیدائش یکم دسمبر سنہ ۱۹ء بمقام کوہ مری، وطن گوجرانوالہ بی۔ اے سنہ ۱۹۳۶ء میں پرائیویٹ پاس کیا۔ والد شعر کہتے تھے۔ اس لئے شاعری ورثے

میں نے سب سے پہلی نظم سنہ ۱۹۲۹ء میں والدہ ہمشیرہ کی یک لخت وفات سے متأثر ہو کر کہی گئی تھی۔ یہ تحریک شعری سنہ ۱۹۳۵ء تک محض غزل گوئی تک محدود رہی۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں والدہ کی وفات اور دوسرے حالات سے پریشان ہو کر گھر بار چھوڑ دہلی چلا گیا۔ لیکن دو سال کی لگاتار فاقہ کشی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ہاں حضرت جوش ملیح آبادی کی صحبت ضرور میسر آئی۔ جس نے ذوقِ شعر کو ایک خاص طرف مائل کر دیا۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں صدر دفتر محکمہ انہار پنجاب لاہور میں ملازم ہو گیا۔ لاہور کے نوجوان ادبا اور شعرا کے میل جول سے جدید شاعری کی طرف راغب ہوا۔ سنہ ۱۹۳۸ء کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے وہی کچھ میرے لئے وجہِ ناز ہے اور بس"

میں لی۔ سب سے پہلی نظم ۱۹۲۹ء میں والدہ ہمشیرہ کی یک لخت وفات سے متأثر ہو کر کہی گئی تھی۔ یہ تحریک شعری ۱۹۳۵ء تک محض غزل گوئی تک محدود رہی۔ ۱۹۳۶ء میں والدہ کی وفات اور دوسرے حالات سے پریشان ہو کر گھر بار چھوڑ دہلی چلا گیا۔ لیکن دو سال کی لگاتار فاقہ کشی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ہاں حضرت جوش ملیح آبادی کی صحبت ضرور میسر آئی۔ جس نے ذوق شعر کو ایک خاص طرف مائل کر دیا۔ ۱۹۳۸ء میں صدر دفتر محکمہ انہار پنجاب لاہور میں ملازم ہو گیا۔ لاہور کے نوجوان ادبا اور شعرا کے میل جول سے جدید شاعری کی طرف راغب ہوا۔ ۱۹۳۸ء کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے وہی کچھ میرے لئے وجہ ناز ہے اور بس۔"